P. O. RGD. No. A 922

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے | سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۹ | ۱۵ نومبر سنہ ۱۹۵۰ء | ایڈیٹر۔ قاضی عبدالغفار | ۴ صفر المظفر ۱۳۷۰ ہجری | نمبر ۲۲

کچھ گزری ہوئی باتیں

ھندی اس بھاشا کا نام ھے جسے
ھندو اور مسلمان قدرتی طور پر
بغیر کوشش کے بولتے ھین
ھندوستانی اور اردو مین کوئی
فرق نہین ھے ۔ دیوناگری
لکھاوٹ مین لکھی جانے پر وہ
ھندی اور عربی مین لکھی جانے
پر اردو کہی جاتی ھے"
موھن داس کرم چند گاندھی

کچھ اپنی باتیں

سائنس کی اصطلاحات

اخبارات میں یہ خبر چھپی ہے کہ سرکار ہند سائنس اور زبان دانوں کا ایک ایسا بورڈ قایم کرنے والی ہے ۔ جو اعلی تعلیم اور تحقیقات علمی و فنی کے لئے ۔ سائنس کی موزوں اصطلاحات کی شفارش کرے تا کہ سائنس کے مضامین کی درسی کتابیں تیار ہو سکیں ۔ بورڈ کی رہنمائی کے لئے غالباً حسب ذیل شرائط ہوں گی :۔

۱۔ مرکزی تعلیمی مشاورتی بورڈ کے اس رزولیوشن کو پیش نظر رکھا ۔ جس میں بین الاقوامی اصطلاحات کی شفارش کی گئی ہے ۔ تا کہ وہ ملک کی زبان میں استعمال کی جائیں ۔

۲۔ ایسے اصولوں کو بنانا جن کے ذریعہ سے بین الاقوامی اصطلاحات کو ھندوستانی زبانوں میں اختیار کیا جائے ۔

۳۔ ھندوستان کی زبانوں میں جو اصطلاحات جاری ہو چکی ہیں ۔ ان کو اکٹھا کرنا اور انہیں کی بنا پر دوسری موزوں اصطلاحات کو بنانا ۔

اخبارات کی اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ اکثر صوبہ جات اپنے اپنے صوبوں

کی زبانوں کو ذریعۂ تعلیم بنانے کی کوشش میں ہیں - ایسی صورت میں اس بات کی ضرورت ہے - کہ تمام صوبہ جات باہم مشورہ سے سب سے پہلے بین الاقوامی علمی اور فنی اصطلاحات کا ایک ڈھانچہ تیار کرلیں - ورنہ یہہ ہوگا کہ صوبہ واری زبانوں میں ایک دوسرے سے مختلف اصطلاحات اختیار کرلی جائیں گی - اس سے جو پیچیدگی ہوگی وہ ظاہر ہے - گزشتہ سال دہلی میں جو "زبان کی کانفرنس" دستوری اصطلاحات کی تیاری کے لئے ہوئی تھی وہ میرے تجربہ میں کچھہ خوش آیند ثابت نہیں ہوئی - کیونکہ اس کانفرنس میں جو جذبہ کام کررہا تھا - وہ ان اصطلاحات کو جو استعمال میں ہیں - قایم رکھنے یا بین الاقوامی اصطلاحات کو اپنانے کے لئے سدِ راہ تھا حتے کہ کانفرنس نے اس پر توجہ تک نہ کی کہ یہہ اصطلاحات تمام دنیا کی زبانوں نے اپنالی ہیں - بلکہ اس کے برخلاف صرف یہہ جذبہ تھا - کہ ان تمام اصطلاحات کو ختم کرکے سنسکرت کے الفاظ سے یہہ اصطلاحات بنائی جائیں - نتیجہ یہہ ہوا کہ ۹۰ فی صدی ایسے الفاظ تیار کئے گئے جو نہ صرف بین الاقوامی زبان سے واسطہ نہیں رکھتے تھے - بلکہ صوبہ واری زبانوں کے لئے بھی موزوں نہیں تھے - اس طرح سے کانفرنس نے مرکزی تعلیمی مشاورتی بورڈ کے اس ابتدائی یا بنیادی اصول ہی کو ٹھکرا دیا جو "علمی اور فنی بین الاقوامی اصطلاحات کو اختیار کرنے کے متعلق" تھا - اگر گورنمنٹ نے پہلے ہی سے مجوزہ بورڈ کو اس رجحان کے خلاف متنبہ اور آگاہ نہ کر دیا - تو پھر وہی ہوگا جو ہو چکا ہے -

یہہ مانی ہوئی بات ہے کہ ہندوستانی زبان کے پاس اس وقت تک علمی اور فنی اصطلاحات کا کوئی ایسا ذخیرہ نہیں ہے جو سائنس کی اعلیٰ تعلیم کی ضرورت کو پورا کرسکے حتے کہ بعض غیر ممالک کے ماہرین تعلیم اپنی ملکی زبان کی کوشش میں ناکامیاب ہوکر آخرکار بین الاقوامی زبان اختیار کرنے پر مجبور ہوئے - کیونکہ اپنی بنائی ہوئی ملکی زبان کی اصطلاحات سے ترقی یافتہ ممالک کی علمی اور فنی ترقی سے بالکل الگ تھلگ ہوجاتے تھے -

حیدرآباد کی مثال ہمارے سامنے ہے - جس نے تعلیمی مقصد کے لئے نئی نئی علمی اور فنی اصطلاحات عربی کے ماخذ سے تیار کی تھیں - مگر ناکامی ہوئی - ہزارہا کتابیں اور فرہنگیں بیکار رہیں اور "جامعہ عثمانیہ" کے لکچر روم میں بین الاقوامی اصطلاحات ہی گونجتی رہیں کیونکہ پروفیسروں اور لیکچراروں کے لئے یہہ ناممکن ہوگیا کہ درسی کتابوں کو سامنے رکھہ کر جو بین الاقوامی اصطلاحات سے بھری ہوئی ہیں وہ نئی اور ایک حد تک غیر مانوس اصطلاحات کو ان کے بجائے استعمال کرتے ہوئے سائنس کے بڑھتے ہوئے پیچ در پیچ مسئلوں کو آسانی سے سمجھا سکیں -

دنیا کی کوئی زبان خواہ وہ عربی ہو یا سنسکرت اگر وہ سائنس اور فلسفہ کی بڑھتی ہوئی دنیا سے الگ تھلگ ہے - تو وہ موجودہ زمانہ کے اصطلاحات کی بنیاد نہیں بن سکتی ہے - جدید اصطلاحات کا تاریخی اور روایتی پس منظر اس کی شہادت دے رہا ہے - کہ یہہ اصطلاحات بہت دنوں میں بنی ہیں - اس لئے اب جب کہ وہ بن چکیں ان کا کسی دوسری زبان میں ترجمہ ہو ہی نہیں سکتا جو زبان اس قسم کی کوشش کرے گی وہ یقیناً اپنی ترقی کی طاقتوں کو کھودے گی - میں تو یہہ خیال کر ہی نہیں سکتا کہ قومی ساخت میں اگر بین الاقوامی اصطلاحات نے جگہ لے کر جدید خیالات کو ترقی دی اور اس طرح سے وہ قومی ساخت میں سمو گئے تو ان

اصطلاحات اور اس غیر معقول خواہش میں کہ ان کو کسی نہ کسی طرح سے ہندی یا ہندوستانی شکل دے دی جائے کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا ہے ۔ اس ادھورے پن سے ہم کہیں کے نہ رہیں گے ۔ اس طریقہ سے ہمیں نہ صرف دنیا سے الگ تھلگ رہنا پڑے گا بلکہ ہمارا ملک رجعت پسندانہ پالیسی کا شکار ہو جائے گا ۔

ہندوستانی زبانوں کے "خالص" ہونے یا بنانے کے متعلق بہت کچھ کہا جا رہا ہے لیکن اگر ہم ٹھنڈے دل سے اس مسئلہ کا مطالعہ کریں تو ہم کو معلوم ہو جائے گا کہ ہندوستان کی بہت سی زبانوں کی "پاکیزگی" اسی میں ہے کہ ان میں دنیا کی بیشتر زبانوں کے لفظ موجود ہیں ۔

ہندوستان کی زبانیں یا تو آرین ہیں یا "انڈو آرین" جن میں "ہندی ایرانی" اور سنسکرت و غیر سنسکرت زبان کی آمیزش ہے "انڈو آرین" زبان بنیادی طور پر بیشتر غیر ممالک کی زبانوں سے وابستہ ہے ۔ ہندی اور ہندوستانی زبان میں ۵۰ فی صد دوسری غیر زبانوں کے الفاظ بہ تبدیل تلفظ موجود ہیں ۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ ہندی اور ہندوستانی زبان میں بخلاف موجودہ شدہ ہندی کے الفاظ کے جو اب بنائے گئے ہیں اسکی کافی صلاحیت موجود ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم کی ضرورتوں کے لئے بین الاقوامی اصطلاحات کو اپنائے ۔

ہندی اور ہندوستانی زبان میں مشرقی اور مغربی ممالک کے الفاظ اس طرح فطری طور پر جگہ لے چکے ہیں کہ اگر ہم ان کو ترقی دیں تو وہ ملک کی جدید "عام زبان" بن کر وہ بغیر جبر و اکراہ ہماری علمی اور تعلیمی ضرورتوں کو پورا کر سکتے ہیں ۔

میں یہ تجویز پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مجوزہ بورڈ کو بجائے اس کے کہ وہ سائنس کی نئی اصطلاحات کو ڈھالنے کی کوشش کرے ان تمام بین الاقوامی اصطلاحات کو جو اس وقت استعمال میں ہیں جمع کرنا چاہئے اور حسب ضرورت بہ تبدیل تلفظ ہندی اور ہندوستانی سانچے میں ان کو ڈھالنا چاہئے اور بین الاقوامی اصطلاحات کے ترجمے یا نئے لفظوں کو ڈھالنے کی غیر فطری کوشش نہ کرنی چاہئے ۔ زبانیں عام لوگ پیدا کرتے ہیں اور وہی زبانیں جب اوپر کے درجہ میں پہنچتی ہیں جہاں ان کو غیر ملکی الفاظ سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے تو وہ ادبی شکل اختیار کر لیتی ہیں ۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ہم الٹے جا رہے ہیں، یہ غیر فطری ابھار یا نمو ہماری مدد نہیں کر سکتا ۔ ان اصطلاحات کا ترجمہ کر لینے سے مقصد کی تکمیل نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ اس ترجمہ سے مضمون کی صحیح تصویر یا اس کا نقشہ سامنے نہیں آسکتا ۔

بین الاقوامی علمی اور فنی اصطلاحیں اختیار کرنے سے جو جدید تعلیم کے لئے ضروری ہیں ہماری علمی اور تعلیمی ترقی تمام ترقی یافتہ زبانوں اور ملکوں سے مربوط ہو سکے گی اور بہت ہی کم وقت میں یہ اختیار کی ہوئی جدید اصطلاحات ہماری زبان میں گھل مل جائیں گی جیسا کہ ان تمام زبانوں میں ہوا ہے جنہوں نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کو اپنایا ۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو یہ خطرہ یقینی ہے کہ ہم نہ صرف تعلیم و تحقیقات علمی میں پچھڑ جائیں گے بلکہ علمی دنیا سے ہمارا کوئی واسطہ ہی نہیں رہے گا ۔

ان بنائی ہوئی اور ترجمہ کی ہوئی اصطلاحوں کا پڑھا ہوا گریجویٹ اس علمی دنیا سے ربط نہیں قائم کر سکے گا جہاں روز بروز سائنس ترقی کر رہی ہے ۔ اس کے علاوہ گریجویٹ ہونے کے بعد جب وہ تحقیقات علمی کے میدان میں قدم رکھے گا تو یقیناً اسکو اپنے مقصد میں کامیابی محض اس وجہ سے نہیں ہوگی کہ وہ بین الاقوامی اصطلاحات سے نابلد ہے ۔

میں گورنمنٹ آف انڈیا اور مجوزہ بورڈ دونوں سے پر زور درخواست کرونگا کہ وہ موجودہ بین الاقوامی اصطلاحات کو نظرانداز نہ کریں بلکہ جس شکل میں وہ ہیں ان کو اسی شکل میں اختیار کرلیں۔ یہہ خیال غلط ہے کہ ہندوستانی زبان میں ان اصطلاحات کے اپنانے کی صلاحیت نہیں ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ "جذبہ حب الوطنی" ماہروں کو میری اس تجویز کی مخالفت میں محض اس لئے کھڑا کرے گا کہ اُن کا جذبہ "ہندیت" برقرار رہے۔ خواہ وسیع تر مفاد قربان ہی کیوں نہ ہو جائے۔ (نوٹ:۔ ترجمہ از روزنامہ نیشنل ہیرلڈ لکھنو مورخہ یکم نومبر سنہ ۱۹۵۰ع)

(قاضی) عبدالغفار

انجمن ترقی اردو کی مجلس عام کا جلسہ

انجمن کی فینانس کمیٹی کا جلسہ ۲۹ اکتوبر سنہ ۱۹۵۰ع کو ساڑھے چار بجے شام کو انجمن کے دفتر میں منعقد ہوا۔

حسب ذیل ممبروں نے شرکت فرمائی:

۱۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب
۲۔ پنڈت کیفی صاحب
۳۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب
۴۔ ڈاکٹر سلیم الزمان صدیقی صاحب
۵۔ رشید احمد صدیقی صاحب
۶۔ نواب احمد سعید خاں صاحب آف چھتاری
۷۔ قاضی عبدالغفار صاحب جنرل سکریٹری

جلسہ ۶ بجے شام تک جاری رہا۔

۳۰ اکتوبر کو ۸ بجے صبح ادبی کمیٹی کا جلسہ جنرل سکریٹری کی اچانک علالت کی وجہ سے جنرل سکریٹری کی قیام گاہ پر منعقد ہوا جس میں علاوہ ادبی کمیٹی کے ممبران کے جناب مولوی حبیب الرحمن صاحب معتمد انجمن ترقی اردو حیدرآباد جناب حیات اللہ صاحب انصاری اور ڈاکٹر سلیم الزمان صاحب صدیقی نے خاص طور سے شرکت فرمائی۔

ادبی کمیٹی کے جن ممبران نے شرکت فرمائی اُن کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب (۲) پنڈت کیفی صاحب (۳) ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب (۴) سید مسعود حسن رضوی صاحب (۵) پنڈت مہیش پرشاد صاحب (۶) پنڈت سندرلال صاحب (۷) پنڈت کشن پرشاد کول صاحب (۸) رشید احمد صدیقی صاحب (۹) ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب (۱۰) آل احمد سرور صاحب (۱۱) مسز جوہری نمایندہ محکمہ تعلیمات حکومت ہند۔

کمیٹی کے ارکان نے اس جلسہ میں متعدد تجاویز پاس کیں۔ اور مطبوعات کے متعلق ایک اہم فیصلہ کیا۔

ادبی کمیٹی کے جلسہ کے اختتام کے بعد ہی وہ جلسہ مجلس عام کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ اس جلسہ کی کاروائی ایک بجے ملتوی ہو گئی۔ دوسرا اجتماع ۳ بجے سہ پہر کو ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب صدر انجمن کے دولت کدہ پر ہوا جس کی کاروائی ۵ بجے شام تک جاری رہی۔ اس جلسہ میں تمام تجاویز زیر بحث آئیں اور حسب ذیل ممبران انجمن نے شرکت فرمائی۔

ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب (صدر انجمن) پنڈت کیفی صاحب ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی پنڈت سندر لال صاحب پنڈت مہیش پرشاد صاحب پنڈت کشن پرشاد کول صاحب ڈاکٹر سلیم الزمان صدیقی صاحب۔ رشید احمد صدیقی صاحب۔ حیات اللہ انصاری صاحب۔ آل احمد سرور صاحب۔ حبیب الرحمن صاحب۔ مسز جوہری۔ پروفیسر مسعود حسن صاحب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب۔

علی گڈھ میں انجمن ترقی اردو کے اراکین کی مصروفیتیں

انجمن ترقی اردو ہند کے ممبران مجلس نظما کی آمد کا سلسلہ ۲۸ اکتوبر سے شروع

ہو گیا تھا - ممبران انجمن مختلف جگہ قیام پذیر ہوئے - مختلف الخیال طلبا اپنے اپنے مذاق کے ممبران سے برابر ملتے رہے اور ان سے زبان کے مستقبل کے متعلق تبادلہ خیال کرتے رہے - یہہ عجیب اتفاق ہے کہ تمام ممبران انجمن نے سوالات کا ایک ہی جواب دیا - انہوں نے کہا کہ :

"اردو کا مستقبل کسی طرح تاریک نہیں - زبان کو اس ملک میں کوئی خطرہ نہیں ہے - ملک کی زبان وہی زبان بنے گی جو اپنے اندر دوسری زبانوں کے ہلکے پھلکے عام فہم لفظوں کو جذب کرنے کی طاقت رکھتی ہوگی - اردو زبان ہی ایک ایسی زبان ہے جو اپنے میں اتنی کشش اور جاذبیت رکھتی ہے اور اتنی طاقتور ہے جو کسی سے مرعوب نہیں ہو سکتی - اس لئے اس نے تمام علوم و فنون کو اپنے دامن میں جگہ دینی شروع کر دی ہے -

ہاں اگر زبان کو خطرہ ہے تو اردو زبان کے ناعاقبت اندیش ہمدردوں سے ہے جو اس کے محاسن اور خوبیوں کو نظر انداز کر کے فرقہ وارانہ نقطہ نظر سے بحث کرنے لگتے ہیں" -

اس سلسلہ میں مسلم یونیورسٹی علی گڈھ نے جہاں اس سے قبل ہمیشہ سیاسی رہنماؤں کا استقبال کیا گیا ہے اور سیاست کے میدان میں پورے جوش و خروش سے اپنے فرایض انجام دے گئے ہیں پہلی مرتبہ زبان و ادب کے رہنماؤں کا اپنی یونین کی طرف سے شاندار استقبال کیا اور ۲۹ اکتوبر سنہ ۱۹۵۰ ع کو یونین ہال میں ساڑھے ۹ بجے شام کو ایک اجتماع ہوا - اس جلسہ کی صدارت یونین کے موجودہ سنیر ممبر کیبنٹ جناب محمد امین صاحب نے فرمائی - جلسہ کا افتتاح جناب محمد احمد سعید صاحب سکریٹری یونین کی تقریر سے ہوا - اس جلسہ میں پنڈت برج موہن دتا تریہ کیفی صاحب اور پنڈت سندر لال صاحب اور آل احمد سرور صاحب نے زبان کے مختلف پہلوؤں پر فاضلانہ انداز میں روشنی ڈالی - جلسہ ۹ بجے رات تک جاری رہا - علی گڈھ کی موجودہ تاریخ میں یونین کا یہہ جلسہ بڑا کامیاب جلسہ تھا -

جلسہ کے اختتام کے بعد تمام ممبران انجمن ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب صدر انجمن کے دولت کدہ پر کھانے کے لئے تشریف لے گئے -

لٹریری کمیٹی کا جلسہ

۳۰ اکتوبر سنہ ۱۹۵۰ ع کو دس بجے دن سے ادبی کمیٹی کا اجلاس شروع ہوا - اس کمیٹی نے منجملہ دوسرے فیصلوں کے جو دفتری کار و بار سے متعلق ہیں مفید کتابوں کی تیاری کے متعلق تجاویز منظور کیں - چنانچہ دور جدید کی مطبوعات "پرچھائیں" "یادگار حالی" "حیات سر سید" اور "مشترکہ زبان" تیار ہو چکیں اب اردو ہندی ڈکشنری ترتیب کی منزل میں ہے - آزادی ہند کے علم بردار حکیم اجمل خان صاحب کی سوانح قاضی عبدالغفار صاحب کے قلم سے مرتب ہو کر پریس میں جا چکی ہے اور طباعت کی آخری منزل میں ہے -

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انجمن کس قسم کی کتابیں ہمارے ہاتھوں میں دینا چاہتی ہے اور کس قسم کے لٹریچر سے اردو ادب کے دامن کو مالا مال کرنا چاہتی ہے -

لٹریری کمیٹی کے جلسہ کے بعد جلسہ عام شروع ہوا اس میں ان تمام مشاہیر علم و ادب نے شرکت فرمائی جو انجمن کی اس دور جدید میں روح کی حیثیت رکھتے ہیں جلسہ ایک بجے کھانے کے لئے ملتوی ہو گیا - بعد تین بجے جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی -

آج شہر میں بھی انجمن کے ممبران کو مدعو کیا گیا تھا اس جلسہ میں شہر کے تمام ارباب اردو نے شرکت فرمائی - یہہ جلسہ علی گڈھ کے مشہور قومی خادم جناب ایم - ایم بشیر صاحب کے دولت کدہ پر منعقد ہوا تھا - اس میں

پنڈت کشن پرشاد کول صاحب

پنڈت کیفی صاحب پنڈت سندر لال صاحب نے خاص طور سے شرکت فرمائی تھی - کول صاحب کی صدارتی تقریر کیفی صاحب کا بیان دھلی کی صاف ستھری اور ھلکی پھلکی زبان میں پھر پنڈت سندر لال صاحب کے ارشادات اس کے بعد مولانا انور صاحب صابری کی نظمیں اپنے اندر وہ طاقت رکھتی تھیں کہ ہر شخص یہہ کہتا نظر آرہا تھا کہ یہہ زبان مٹنے والی نہیں اس سلسلہ میں مہمانوں کو جناب ایم - ایم بشیر صاحب نے ایک شاندار عصرانہ بھی دیا اور وہیں انجمن ترقی اردو کی شاخ کے قیام کے لئے ایک عارضی کمیٹی بھی بنائی گئی -

انجمن ترقی اردو (ھند) کے علی گڈھ میں کاروبار کی منتقلی کے بعد جس دور کا یہاں آغاز ہوا ہے یہہ اس کا پہلا باب ہے - اگر یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد نے اس طرف توجہ فرمائی اور طلبا میں جو ادبی ذوق پیدا ہونے لگا ہے اس کو کم نہ ہونے دیا تو یہہ انکے لئے اور انکے ذریعہ سے پورے ملک کے لئے بہت مفید ہوگا اور اس کے بعد جو شاہراہ کہلائے گی وہ حقیقی شاہراہ ہوگی -

(نامہ نگار)

ادارہ کو افسوس ہے اسد فعہ ہماری زبان کی اشاعت میں بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر تاخیر ہوی - جنرل سکریڑی صاحب کی طویل علالت کے باعث بعض ضروری مراسلتوں کا جواب دینے میں بھی تاخیر ہوتی رھی ہے جسکا ادارہ کو افسوس ہے - امید ہے کہ جدید انتظامات کے تحت یہہ صورت حال باقی نہ رھیگی - جہاں تک دفتر کے ضروری کامون کا تعلق ہے وہ بدستور جاری ہیں -

---

اردو ادب

" اردو ادب " کے نئے دور کا پہلا پرچہ شایع ہو گیا ہے اور خریداروں کو بھیجا جا چکا ہے - جن اصحاب نے پہلے سے فرمائش بھیج دی تھی اگر انکو پرچہ وصول نہ ہوا ہو تو فوراً دفتر کو اطلاع دیں -

قیمت فی پرچہ دو روپیہ اٹھہ انہ سالانہ دس روپیہ -

' اردو ادب ' اچھے مضامین کا معقول معاوضہ دیتا ہے -

اردو زبان کو برقرار رکھنے کے متعلق حیدر آباد کے وکلا کا بیان

ایڈوکیٹس اور وکلاء ہائی کورٹ دیوانی بلدہ، فوجداری بلدہ خفیفہ، اطراف بلدہ و مالگزاری نے عدالتوں میں انگریزی زبان کے چلن کے بجائے ہندی کے عدالتی زبان قرار پانے تک اردو کو برقرار رکھنے کا مطالبہ کرتے ہوئے معتمد انجمن وکلاء سے یہہ خواہش کی ہے کہ وہ جلد از جلد وکلاء کا جلسۂ عام منعقد کرکے حکومت کے سامنے عدالتی کارروائیاں انگریزی میں ہونے سے جو تکالیف لاحق پڑرہی ہیں ان کو پیش کریں ۔ مشترکہ بیان کا متن حسب ذیل ہے :-

ہائی کورٹ حیدر آباد نے ایک گشتی اس مضمون کی جاری کی ہے کہ عدالتیں نہ صرف ڈگری بہ زبان انگریزی مرتب کریں بلکہ دوسری کارروائی بھی انگریزی میں کیجائے جہاں تک سپریم کورٹ کے واجب الاحترام احکام کا تعلق ہے اسٹیٹس کی ہائیکورٹ پر اس امر کو لازم نہیں قرار دیا ہے کہ وہ پابند تکس شہادت اور دیگر درخواست ہائے ضروری جو فریقین کی جانب سے عدالت میں پیش ہوں یا چالانات فوجداری و بیانات ملزمین و گواہان تائید الزام و گواہان صفائی بہ زبان انگریزی قلمبند کریں ۔ یہہ اس لئے ہے کہ اسٹیٹ کی ہائی کورٹ اور عدالت ہائے تحت کی سہولت کے لحاظ سے بتدریج آیندہ زبان ہندی انگریزی زبان کی جگہ حاصل کرے ۔ یہہ قرین صواب تھا کہ اردو جو یہاں کی مروجہ زبان ہے جاری رہتی اور ہندی زبان اس کی جگہ لیتی بجائے اسکے انگریزی کو اس عبوری دور میں از جز تا کل عدالتی زبان قرار دینا اہالیان ملک کے لئے سخت پریشانی کا باعث ہوگا ۔ اس لئے کہ زبان عوام کے اظہار خیال کا ذریعہ ہے اسکے لئے وہی زبان مناسب ہوسکتی ہے جو ملک میں عوام الناس کی مروجہ زبان ہو بس ہائی کورٹ حیدر آباد کی اس گشتی سے فریقین وکلاء اور عدالتوں کو سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑیگا اس لئے کہ حیدر آباد انگریزی

زبان بولنے والے اہل ملک کا کوئی جز نہیں ہے لہذا ایک ہفتہ کے اندر جلسہ عام طلب کیا جائے اور قریب ترین تاریخوں میں ایک ایسی وکلاء کانفرنس کا اعلان کیا جائے جو اس مشکل مسئلہ کو حل کرنے کے لئے حکومت کی رہبری کر سکے ۔ (سیاست)

حکومت ہند کے خلاف سندھی زبان و رسم الخط کمیٹی کا سخت احتجاج

بمبئی ۸ نومبر ۔ سندھی زبان و رسم الخط کی کمیٹی نے آج اپنے ایک بیان میں سندھی زبان کے موجودہ رسم الخط کو دیوناگری رسم الخط میں تبدیل کرنے سے متعلق حکومت ہند کے فیصلہ کے خلاف سخت احتجاج کیا ہے ۔ اس فیصلہ کو سندھی زبان اور قومی وراثت پر ایک حملہ قرار دیتے ہوئے کمیٹی نے بیان کیا کہ اس فیصلہ کا زبان اور ادب پر اثر پڑتا ہے ۔ جسکے نتیجہ کے طور پر سندھی قوم کا کلچر بھی متاثر ہوگا ۔

کمیٹی نے حکومت کے فیصلہ کے خلاف مندرجہ ذیل دلائل پیش کئے ہیں :-

دیوناگری رسم الخط اختیار کرنے سے سندھی زبان کے الفاظ کے تلفظ اور ان کے معنی تباہ و برباد ہوجائیں گے ۔

اس قسم کا اہم فیصلہ کرنے سے قبل سارے سندھی بولنے والوں سے استمزاج کیا جانا ضروری تھا ۔

کمیٹی نے مطالبہ کیا ہے کہ اس فیصلہ کو فوراً کالعدم قرار دیا جائے اور اصلی رسم الخط کو اس وقت تک بحال رکھا جائے جب تک کہ سندھی عوام سے اس بارے میں استصواب رائے نہ کرلیا جائے ۔

کمیٹی نے یہہ بھی مطالبہ کیا ہے کہ سندھی کو جو ایک ترقی یافتہ زبان ہے اور جس کو بارہ لاکھ سے زیادہ سندھی بولتے ہیں دیگر زبانوں کے ساتھہ ساتھہ ایک جدید ہندوستانی زبان کی حیثیت سے تسلیم کرلیا جائے ۔ (خلافت)

اردو زبان کے بہی خواہوں سے

آردو زبان کی توسیع و اشاعت اور اسے مقبول بنانے کا معاملہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ۔ غیر منقسم ہندوستان میں اس پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اور تقسیم ہند کے بعد بھی کہنے اور لکھنے والوں نے اس موضوع پر اظہار خیال میں کوتاہی نہیں کی ۔ اس لئے بظاہر اس معاملہ پر کچھ کہنا ایک پامال موضوع پر خامہ فرسائی کی حیثیت رکھتا ہے ۔ لیکن جب کسی پرانی بات کے متعلق کوئی نئی بات کہی جاتی ہے تو قدرتی طور پر ان باتوں کا اعادہ بھی کرنا پڑتا ہے جو اس سلسلہ میں اس سے پہلے کہی جاچکی ہیں ۔

آردو زبان پہلے اس ملک میں آکر یہاں آباد ہوجانے اور اسے اپنا وطن بنا لینے والوں کی مشترکہ جدوجہد کا نتیجہ اور ایک دوسرے کے لئے جذبات خیر سگالی کی مظہر ہے ۔ اسی لئے صدیوں سے اس زبان کو اس ملک کی عوامی زبان ہونے کا فخر حاصل ہے اور آج بھی جب کہ ہندی کو ریاست کی زبان تسلیم کرلیا گیا ہے اس کی وسعت قبولیت اور ہمہ گیری میں کوئی فرق رونما نہیں ہوا لیکن ظاہر ہے کہ اگر کسی شاداب اور سرسبز گلستان پر آبیاری اور نشو و نما کے تمام وسائل اور ذرائع کو بند کردیا جائے تو جلد یا بدیر ہمیں اسکے کملانے اور مرجھا جانے کا یقین بھی کرلینا چاہئے ۔ آردو زبان کے معاملہ میں بھی اس قدرتی قانون کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا چنانچہ ہمارا یقین ہے کہ اگر حالات کے موجودہ دور میں آردو زبان سے محبت کرنے اور اسے ترقی دینے کے خواہشمند حضرات اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کوئی تعمیری قدم نہیں آٹھائیں گے اور یہ قدم آٹھانے کے بعد استقلال کے ساتھ اپنے فیصلہ پر قائم نہیں رہیں گے تو آہستہ آہستہ آردو بے جان اور غیر مقبول بنتی چلی جائیگی ۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہندوستان کی تقسیم سے قبل آردو زبان ہی نہیں بلکہ ہندوستان صوبائی اور علاقائی زبانوں کے لئے بھی ترقی اور توسیع کی جو راہیں کھلی ہوئی تھیں آج ان میں سے بیشتر راہیں قانوناً تو نہیں لیکن عملاً ضرور بند ہوگئی ہیں اور بعض سیاسی بحران کے نتائج کے باعث ملک کی تقسیم نے آردو کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس بات کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہندوستان کے نئے آئین میں آردو زبان کو بھی ایک درجہ دیا گیا ہے اور ماضی اور حال میں زبان کے متعلق جو فرق محسوس و متعین کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ ماضی میں آردو زبان قدرتی طور پر ترقی کررہی تھی اور اس دور کے آردو نواز عناصر حسب استطاعت اس کی تہذیب اور تزئین میں حصہ لیتے تھے اور آج ان پر اس کی تہذیب اور تزئین کے علاوہ اس کی بقا اور ترقی کی کوششوں کی ذمہ داری بھی عائد ہوگئی ہے اور اگر وہ اپنی اس نئی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے صبر اور استقلال نیز خندہ پیشانی اور فراخ دلی کے ساتھ اس سے عہدہ برا ہونے کی کوشش کریں ۔ تو ان کا منزل مقصود پر پہونچنا لازمی اور یقینی امر ہے ۔

کسی زبان کو ترقی دینے اور اسے مقبول بنانے کے لئے اگرچہ ریاست کی سرپرستی بھی ایک اہم تعمیری عنصر کی حیثیت رکھتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیں اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کردینا چاہئے کہ جمہوری نظام و حکومت میں ریاست کا تعاون، اشتراک عمل اور سرپرستی بھی انہی تحریکات کو حاصل ہوا کرتی ہے جن کی پشت پر عوام کی قوت ہو ۔ اور جب عوام کسی ایسے کام کو انجام دینے کا فیصلہ کرلیتے ہیں جس میں حکومت کے ساتھ کسی قسم کے تصادم کا اندیشہ نہ ہو تو پھر انہیں حکومت کی حمایت اور اعانت کی بھی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی ۔

ہندوستان کے اکثریت والے طبقہ کی اکثریت نے خواہ کسی جذبہ کے ماتحت ہی کیوں نہ ہو ہندی زبان کو اپنی زبان قرار دیا ہے اور چونکہ جمہوریت کی بنیاد اکثریت کی رائے

اور فیصلہ پر قائم ہوئی ہے اور اسی لئے ملک کے آئین میں بھی اسی زبان کو ریاست کی زبان تسلیم کیا گیا ہے اور اس فیصلہ کے بعد اردو اور ہندی کے مابین مقابلہ کا کوئی سوال باقی نہیں رہتا لیکن اس فیصلہ کے باوجود اردو زبان کی ترقی اور اشاعت پر آئینی انداز میں کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی اور اس سلسلہ میں اردو کو باقی رکھنے اور ترقی دینے کے خواہش مند جو کوشش بھی کریں اس پر تخریبی جدوجہد ہونے کا خفیف سا الزام بھی عائد نہیں کیا جاسکتا ۔

دنیا کی ہر زبان کی ترقی کے وسائل دو حصوں میں منقسم ہوا کرتے ہیں یعنی موافق قدرتی حالات اور وہ مساعی جو ان قدرتی حالات کو زیادہ موافق اور مستقل بنانے کے لئے کی جاتی ہیں اور جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے بہت سے ناموافق حالات پیدا ہوجانے کے باوجود اس کی توسیع و اشاعت کی سب سے بڑی قدرتی گنجائش اس حقیقت میں مضمر ہے کہ یہہ ہندوستان کے عوام کی ایک مشترکہ زبان ہے اور آج بھی بہ حیثیت مجموعی اس ملک کی اکثریت اسی زبان کو بولتی اور سمجھتی ہے اور اگر اردو زبان کی بقا اور ترقی کے خواہشمند عناصر آج بھی اردو کی موافقت کی اس قدرتی گنجائش سے فائدہ اٹھانے کے لئے تیار ہوجائیں تو اسے مستقل بنا سکتے ہیں ۔

ہمیں مسرت ہے کہ تقسیم ہند کے بعد بھی ہندوستان کے طول و عرض میں اس قسم کی جدوجہد جاری رہی ہے اور یہہ کوششیں مشاعروں اور ادبی مجالس کے انعقاد کی صورتوں میں ہمارے سامنے آتی رہی ہیں اور آرہی ہیں لیکن ہماری مستقل رائے یہہ ہے کہ ان کوششوں سے خواہ وہ کتنا ہی اخلاص پر مبنی کیوں نہ ہوں اردو زبان کو کوئی معتدبہ فائدہ نہیں پہونچایا جاسکتا اس قسم کی کوششیں کسی بنیادی تعمیری کوشش کے لئے تقویت کا باعث تو ضرور ہوسکتی ہیں لیکن یہہ بجائے خود اردو کے بہی خواہوں کو ان کی منزل مقصود پر نہیں پہونچا سکتیں ۔

مختصر یہہ ہے کہ اگر ہم اردو زبان کو زندہ رکھنا اور ترقی دینا چاہتے ہیں تو ہمیں ان امور پر غور کرنا ہوگا کہ ٹائپ کی عدم موجودگی کے باوجود ہم اس زبان میں شائع ہونے والی کتابوں، اخبارات اور رسالوں کو کس طرح زیادہ سے زیادہ دیدہ زیب بنا سکتے ہیں ۔ اردو زبان کی مطبوعات کو کس طرح اس قدر جامع بنایا جاسکتا ہے ۔ کہ ان کا مطالعہ عوام کی سیاسی اقتصادی، معاشی سائنٹفک، معاشرتی ۔ فنی، اصلاحی اور صالح قسم کی تفریحی ضرورتوں کو پورا کرے اور عام طور پر دوسری زبانوں کی مطبوعات کی طرف رجوع نہ کرنا پڑے اور تمام محاسن کے بعد ان کی قیمتیں بھی اتنی مناسب اور معقول ہوں جنہیں عوام بلا تکلف برداشت کرسکیں ۔

ہم دیکھتے ہیں کہ آج بھی اردو زبان کی مطبوعات کی قیمتیں ضرورت سے زیادہ مقرر کی جاتی ہیں اور اگر ایک سال کی مدت میں شائع ہونے والی مطبوعات کے اعداد و شمار جمع کرکے انہیں مختلف عنوانات کے ماتحت مرتب کیا جائے تو یہہ دیکھہ کر تعجب ہوگا کہ ان میں ایسی کتابیں بہت کم ہیں جنکے مطالعہ سے معلومات میں کوئی مفید اضافہ ہوسکتا ہے اور یہہ امر زبان کی ترقی کے لئے سخت خطرناک ہے ۔

حال ہی میں یہہ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ ۲۶ اکتوبر کو حضرت مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب رکن پارلیمنٹ کی زیر صدارت دہلی کے کچھہ محبان اردو کا ایک جلسہ منعقد ہوا تھا اور اس میں یہہ امر طے پایا ہے کہ ۱۹ اور ۲۰ جنوری کو دہلی میں یوم سپرد منایا جائے اور اس موقعہ پر مصنفین اردو کا ایک ایسا اجتماع بھی ہو جس میں تقسیم ہند سے لے کر اس وقت تک اردو کی رفتار کا جائزہ لے کر اس کے مستقبل کو بہتر بنانے کی تجاویز مرتب کی جائیں ۔

دوسرے الفاظ میں یہہ کہا جاسکتا ہے جنوری میں ہی خواہان اردو کی ایک چھوٹی سی مگر نمائندہ کانفرنس منعقد کی جائیگی۔ اور ہم اس تجویز کو مفید بھی سمجھتے ہیں لیکن جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا جاچکا ہے اگر یہہ اجتماع بھی محض اجتماع ہی کی حد تک محدود ہوکر رہ گیا اور اس میں اردو کی رفتار کا جائزہ لینے کے بعد اس کے مستقبل کو درخشاں اور مستقبل بنانے کے لئے کوئی مفید اور موثر لائحہ عمل بنا کر اسکے ماتحت جدوجہد شروع نہ کی گئی تو اردو زبان کی خدمت کی راہ میں یہہ قدم آگے نہیں بڑھے گا بلکہ پیچھے ہٹے گا۔

اردو زبان کی ترقی اور بقا کے لئے جو کچھہ عرض کیا گیا ہے اسے حرف آخر تصور نہیں کرنا چاہئے بلکہ اسکے سلسلہ میں تعلیمی اداروں اور دوسرے وسائل سے ابھی بہت کچھہ کام کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر کام کی ضرورت کو محسوس کرلیا جائے تو اسے انجام دینے کے ذرائع خود بخود پیدا ہوجایا کرتے ہیں۔

"الجمعیتہ"

کچھہ ان اوراق کے متعلق

(آزاد ابوالکلام کا پیش لفظ)

یہہ گذشتہ اپریل سنہ ۱۹۵۰ع کی بات ہے کہ لکھنؤ کے ترقی پسند ادیبوں کی ایک مجلس میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے ادب کی نفسیات پر ایک دلچسپ گفتگو ہورہی تھی۔ اسی وقت مجھے خیال آیا کہ خود مولانا کی نفسیات کو اُن کے ادب میں تلاش کرنا چاہئے۔ دور سے دیکھنے والوں کے لئے مولانا کی نفسیات ایک بہت ہی مشکل معمہ ہے جس کو حل کرنے کے لئے مولانا کے بہت قریب جانے کی ضرورت ہے۔ لیکن اس ذہنی اتصال کے مواقع شاید چند ہی خوش نصیبوں کو میسر آسکے ہوں!

ادب جس طرح ادیب کے ماحول کا آئینہ ہوتا ہے اسی طرح ادیب کے ادب میں اس کی شخصی نفسیات کا صحیح عکس بھی دیکھا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس کے ادب کا تجزیہ کرنے کے صحیح ڈھنگ معلوم ہوجائیں۔ ہندستانی زبان میں اس قسم کے نقد و نظر کا سرمایہ بہت ہی کم ہے۔ بہر حال میں نے ان اوراق میں یہہ ایک کوشش شروع کی ہے۔

تذکرہ، الہلال، البلاغ اور غبار خاطر کے صفحات سے زیادہ اس تحقیقات کا مواد کہاں مل سکتا تھا۔ میں نے سب سے پہلے غبار خاطر کو سامنے رکھہ کر یہہ کام شروع کیا اس لئے کہ وہی مولانا کی تازہ ترین نگارش ہے اور اسی میں سب سے زیادہ مولانا کے شخصی احساسات کا عکس نمایاں ہوتا ہے۔ جب میں نے یہہ "مطالعہ" شروع کیا تو میرے اس تبصرہ کا موضوع نہ تو مولانا کی شخصی زندگی کے معمولات تھے، نہ ان کی خاندانی یا ذاتی عظمت تھی، نہ اُن کی سیاسی زندگی کے کارنامے تھے، نہ اُن کا مجتہدانہ علم و فضل تھا۔ بلکہ میری فکر و نظر کا مرکز صرف اُن کی وہ مخصوص "انفرادیت" تھی جس کے نقش و نگار اُن کی تحریروں میں نمایاں ہوتے ہیں۔ میں نے اس "مطالعہ" میں اپنی مقررہ حدود سے باہر جانا پسند نہیں کیا۔ حتی کہ مولانا کی زندگی کے بعض اہم واقعات اور اُن کے بعض عالمانہ اجتہادات کو بھی یہہ سمجھہ کر نظر انداز کردیا کہ وہ اُن کی معنوی اور نفسیاتی زندگی سے کچھہ زیادہ تعلق نہیں رکھتے۔

لیکن جب میں اس دلچسپ "مطالعہ" میں مصروف تھا تو بمبئی کے ناشرین نیشنل انفارمیشن اینڈ پبلیکیشنز لمیٹڈ

National Information & Publications Ltd.

نے مجھے دعوت دی کہ میں مولانا کی ایک مختصر سوانح عمری مرتب کروں۔ یہہ کام میرے "مطالعہ" کی حدود سے خارج تھا۔ لیکن ناشرین

کی خواہش کو پورا کرنے کا میں نے یہہ طریقہ اختیار کیا کہ مولانا کے ادب پر اپنے تبصرہ میں ایک باب کا اضافہ کر دیا ۔ اس باب میں میں نے مولانا کی زندگی کی وہ سرگذشت مختصراً قلم بند کر دی جو عام طور پر کتابوں کی صورت میں مرتب کی جایا کرتی ھے ۔ میں خود تو ایسی سوانح نگاری کا قایل ھی نہیں جس کا اساس زندگی کے صرف ایسے واقعات ھوں کہ کب پیدا ھوئے، کس کے بیٹے تھے، کہاں تعلیم پائی، کیا کیا کام کئے، قومی لیڈر تھے تو قوم کی کیا خدمت کی، عالم و فاضل تھے تو علم و فضل کا مقام کیا تھا، وغیرہ وغیرہ۔ یہہ ایک مقرر سانچہ ھے کہ اس میں کتاب کے ھر باب کو ڈھال کر جاتے چلے جائیے! ۔ کچھہ اس طرح کہ اگر نام بدل دیجئے تو شاید ایک بڑے آدمی کی سوانح عمری کسی دوسرے بڑے آدمی کی سوانح عمری بن جائے! گویا کہ ایک ھی ٹھپہ ھے کہ اس سے سوانح نگاری کے سکے یکساں ڈھلتے چلے جاتے ھیں! میں سوانح نگاری کے فن میں اپنے موضوع کی نفسیات کو بہت اونچا مقام دیتا ھوں اور چاھتا ھوں کہ حوادث زندگی اور علائق حیات کے پس منظر میں ایک بڑے انسان کے ذھنی اور معنوی اور نفسیاتی وجود کا سراغ پاؤں ۔ ان اوراق میں میری اس خواھش کی تکمیل تو نہیں ھوتی ۔ لیکن ھندستانی زبان میں سوانح نگاری کے ایک اسلوب کا آغاز ضرور ھوتا ھے گو کہ وہ کتنا ھی ناقص اور نامکمل سمجھا جائے۔ فی الحقیقت "نقش ثانی" ھی اس کتاب کا وہ حصہ ھے جسمیں میں نے سوانح نگاری کا یہہ نیا زاویہ پیش کرنے کی ایک نا تمام کوشش کی ھے اور میری رائے میں وھی حاصل کتاب ھے ۔

اگر ناشرین کی خواھش کو بھی پورا کرنا مد نظر نہ ھوتا تو میں صرف "نقش ثانی" ھی "آثار ابوالکلام آزاد" کے نام سے شائع کراتا ۔ لیکن سوانح نگاری کی رسم کہن کو پورا کرنے کے لئے بجائے "نقش اول" بھی لکھنا پڑا ۔ خود میری رائے میں یہہ "نقش اول" بلحاظ اھمیت "نقش ثانی" سے کمتر ھے ۔ مولانا کے علم و فضل، اُن کی فکر و نظر کی وسعت اور اُن کی قومی خدمات سے اس ملک میں صرف وھی شخص ناواقف ھوگا جس کو فیضان قدرت سے فہم عامہ کا ذرا سا حصہ بھی نصیب نہ ھوا ھو، لیکن مولانا کے اپنے ھم وطن تو لاکھوں اور کروڑوں ھونگے جنہوں نے اُنہیں دور سے تو دیکھا مگر کبھی اُس خلوت نشین انسانیت کو قریب سے نہ دیکھہ سکے جو علم و فضل کے تقدس اور قیادت و خطابت کے پردوں کے پیچھے متمکن ھے!

مولانا کی تحریروں کے جو اقتباسات اور حوالے ان اوراق میں درج کئے گئے ھیں اُن کے انتخاب میں جہاں تک بھی ممکن ھوا اس کا لحاظ رکھا گیا ھے کہ ایک ھی موضوع پر متعدد حوالے پیش نہ کئے جائیں اور اس بات کی بھی کوشش کی گئی ھے کہ یہہ حوالے زیادہ طویل نہ ھوں ۔ اگر وہ سب اقتباسات اور حوالے درج کر دئے جاتے جن کا میں نے انتخاب کیا تھا تو اس کتاب کی ضخامت بہت زیادہ ھو جاتی۔ "نقش ثانی" میں بھی اختصار کو مد نظر رکھا گیا ھے تاھم مولانا کی معنوی زندگی کے بعض حقائق کو ان ادب سے اخذ کرنے کے لئے بعض طویل اقتباسات کو بھی شامل کرنا پڑا ھے ۔ اس کے بغیر میرا مقصود ھاتھہ سے جاتا تھا ۔

اگر ان اوراق کے پڑھنے والے اُن کو یہہ سمجھہ کر پڑھیں گے کہ یہہ کوئی سوانح عمری ھے جیسی کہ سوانح عمریاں لکھی جایا کرتی ھیں تو میں سمجھتا ھوں کہ میری یہہ محنت اکارت جائے گی ۔ رھا یہہ امر کہ حضرت مولانا کے نفسیات کے "مطالعہ" کی یہہ کوشش کس حد تک کامیاب ھوئی تو اس کا فیصلہ اس کتاب کے لکھنے والے سے بہتر اُس کے پڑھنے والے ھی کر سکینگے ۔

(عبدالغفار)

انجمن کی کتابیں

"مشترکہ زبان" (مہاتما گاندھی نے کیا سوچا تھا) ۔

مہاتما گاندھی کے قلم سے ۔ جو کچھ مہاتما جی نے کہا زبان کے مسئلہ پر لکھا اور کہا اس کے اندر آج بھی کافی روشنی باقی ہے ۔ روشنی اگر کم ہوتی ہے تو خود ہماری نظروں میں ۔

اعلی درجہ کے اردو ٹایپ میں یہہ کتاب چھاپی گئی ہے ۔ قیمت فی جلد چار روپے ۸ آنہ

"پرچھائیں" (مصنفہ سید آصف علی صاحب، گورنر اڑیسہ ۔

آصف علی صاحب (گورنر اڑیسہ) کو ایک سیاسی لیڈر کی حیثیت سے تو سب جانتے ہیں لیکن کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ان کی سیاست کے پردے میں ایک نازک خیال ادیب فلسفی اور مفکر کی روح بھی ہمیشہ بیچین رہی ہے انجمن ترقی اردو نے اپنے جدید دور میں سب سے پہلی کتاب ان کی یہہ تصنیف شایع کی ہے جس میں ان کے ادب اور افکار کی بہت سی پرچھائیاں اس طرح چل پھر رہی ہیں کہ اگر مطالعہ گہرا ہو تو ان پرچھائیوں کے پردے میں زندگی کی بہت سی حقیقتیں جھانکتی ہوئی نظر آئیں ۔

اعلی درجہ کے اردو ٹایپ میں بہت اچھے کاغذ پر یہہ کتاب پیش کی گئی ہے ۔

قیمت فی جلد چار روپے

"یادگار حالی" ۔ (مصنفہ بیگم صالحہ عابد حسین) ۔

جدید ادب کے ایک بڑے معمار کے افکار کی بہت ہی دل نواز پرچھائیاں ۔ ان اوراق میں یکجا کی گئی ہیں ۔ حالی بحیثیت ایک انسان کے ۔ اور بحیثیت ایک شاعر اور ایک ادیب کے ۔ اور بحیثیت ایک مصنف اور سوانح نگار کے جدید اردو ادب کے بانی تھے ۔ جو لوگ جدید ادب کا مطالعہ حالی کے ادب کا مطالعہ کئے بغیر کرنا چاہیں ان کی محنت ضایع جائیگی ۔

قیمت فی جلد چار روپے چار آنہ

"حیات سر سید" (مصنفہ مولوی نورالرحمن صاحب، بی ۔ اے ۔

ایک عظیم الشان زندگی کا ایک مختصر خاکہ ہے جو عام پڑھنے والوں پر سر سید کے کام اور انکی زندگی کے خاص خاص پہلو واضح کرتا ہے ۔

کتابت و طباعت اعلی کاغذ نفیس ۔

قیمت فی جلد تین روپے آٹھہ آنہ

باہتمام عزیز حسین منیجر مسلم یونیورسٹی پریس علی گڈھ چھپا اور قاضی عبدالغفار صاحب پباشر نے صدر دفتر انجمن ترقی اردو علی گڈھ سے شائع کیا